بلاک: 1 بلاغت

فہرست

اکائی نمبر		عنوان
اکائی	1	علم بلاغت: تعریف اور اہمیت
اکائی	2	علم بلاغت: آغاز وارتقاء
اکائی	3	فصاحت وبلاغت
اکائی	4	اسلوب اور اس کی قسمیں
اکائی	5	عظیم علمائے بلاغت

اکائی: 1 علم بلاغت-تعریف اوراہمیت

اکائی کے اجزاء

1.1 مقصد

1.2 تمہید

1.3 تعریف

1.4 علمائے بلاغت کے اقوال

1.5 مختلف تعریفات کے نتائج

1.6 اہمیت

1.7 خلاصہ

1.8 نمونے کے امتحانی سوالات

1.9 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

1.10 مشکل الفاظ کی فرہنگ

1.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے سے ہمیں معلوم ہوگا کہ علم بلاغت کسے کہتے ہیں؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور کسی کلام کے بلیغ ہونے کے کیا تقاضے ہیں؟ مختلف مثالوں کے ذریعے ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ بلیغ اور غیر بلیغ کلام کے درمیان کیا فرق ہوتا ہے؟ اور ہم کیسے پتا لگائیں گے کہ جو کلام ہم پڑھ یا سن رہے ہیں، وہ بلیغ ہے یا نہیں؟

1.2 تمہید

انسان اپنی زبان سے جو باتیں نکالتا ہے وہ دو طرح کی ہوتی ہیں۔ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا کوئی مطلب نہیں ہوتا اور کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں، جن کو ادا کرنے والا کوئی خاص مقصد رکھتا ہے۔ ایسے بامعنی کلام کو ہی حقیقت میں کلام کہا جانا چاہیے۔ اس لیے کہ جس بات کا کوئی مطلب ہی نہ ہو، اس کو زبان سے ادا کرنے کا کیا فائدہ؟ عام طور پر پاگل اور دیوانے لوگ اسی طرح کی بے مطلب اور الٹی سیدھی باتیں کرتے پھرتے ہیں۔ اصل کلام وہ ہے، جس کا کوئی مطلب ہو اور جس کو پڑھنے یا سننے کے بعد قاری یا سامع کوئی بات سمجھے۔

یہ بامقصد کلام کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے، جس کو سن کر یا پڑھ کر انسان اس میں کہی گئی پوری بات تو سمجھ جاتا ہے، لیکن اسے وہ کلام پڑھنے سننے میں بالکل مزا نہیں آتا۔ اس کے برعکس کبھی کبھی یہ کلام ایسا ہوتا ہے کہ آدمی بات بھی سمجھ لیتا ہے اور اس کلام کا سننا یا پڑھنا اسے لطف بھی دے جاتا ہے۔ ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ متکلم جب اپنی بات کو اچھے کلام کے اصول وضوابط کے مطابق ادا کرتا ہے تو وہ پڑھنے والے کو ایک خاص قسم کے لطف سے ہم کنار کرتا ہے، لیکن جب متکلم ان اصول وضوابط کا خیال نہیں رکھتا تو پڑھنے والا بات سمجھنے کے باوجود اس کا لطف حاصل نہیں کر پاتا، بلکہ وہ کلام بسا اوقات اپنا مفہوم

ادا کرنے کے باوجود باذوق انسان کے ذہن و دماغ یا سماعت کو ناگوار بھی ہوتا ہے۔ وہ کلام جو پڑھنے یا سننے والے کو بھاتا ہے، اسے کلامِ بلیغ اور جو پڑھنے یا سننے والے کو ناگوار ہوتا ہے، اسے کلامِ غیر بلیغ کہتے ہیں۔

1.3 تعریف

علم بلاغت کے ماہرین نے اس فن کی بہت ساری تعریفیں کی ہیں۔ ویسے تو تقریباً ہر علم اور ہر چیز کی تعریف میں مختلف اقوال ہوتے ہیں۔ کوئی شخص کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ کہتا ہے۔ البتہ بعض تعریفات ایسی ہوتی ہیں، جنھیں ہم سب سے جامع تعریف کہتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ جن لوگوں کی تعریف کو ہم اختیار نہیں کر رہے ہیں، وہ ناقابل قبول اور غلط ہوں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس کی تعریف کو اختیار کیا جا رہا ہے، وہ ہماری نظر میں زیادہ بہتر اور زیادہ جامع ہے۔ اس لیے ایک تعریف کو اختیار کرنا اور دوسری کو اختیار نہ کرنا، جائز و ناجائز کا مسئلہ نہیں ہوتا بلکہ زیادہ بہتر اور کم بہتر کا مسئلہ ہوتا ہے۔ جن تعریفوں کو ہم اختیار نہیں کرتے، وہ ایسی نہیں ہوتیں کہ انھیں کوڑے دان میں ڈال دیا جائے۔ بلکہ ان کم بہتر تعریفات کو پڑھنے سے بھی بعض چیزوں کی حقیقت کھلتی ہے اور بڑی قیمتی باتیں سامنے آتی ہیں۔ اس لیے علم بلاغت کے سلسلے میں بہت سے ماہرین کے ذریعے بیان کی گئیں تعریفات پیش کی جا رہی ہیں، تاکہ اس سلسلے کی تمام اہم باتیں سامنے آسکیں اور آپ ان کی روشنی میں حقیقت تک پہنچ سکیں۔

لغات کشوری میں بلاغت کے معنی یہ لکھے ہیں:

''حسب موقع گفتگو کرنی، جیسا حال دیکھا ویسی بات کرنی۔''

مختصر اردو لغت میں ہے:

''مقتضائے حال کے مطابق کلام کرنا۔ اصطلاح میں علم بیان وہ علم ہے، جس میں اعلیٰ درجے کی خوش بیانی کے قواعد بتائے گئے ہوں۔''

1.4 علمائے بلاغت کے اقوال

عرب ماہرین بلاغت میں سے رمّانی (۳۸۶ھ) نے بلاغت کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

"إيصال المعنى إلى القلب في أحسن صورة من اللفظ۔"

نہایت مناسب الفاظ کے ذریعے بات کو سامنے والے کے دل تک پہنچا دینا۔''

قزوینی (۷۳۹ھ) نے لکھا ہے:

"مطابقة الكلام المقتضى الحال مع فصاحته۔"

بات کو مقتضائے حال کے مطابق پوری فصاحت کے ساتھ بیان کرنا۔''

ابو ہلال عسکری (وفات ۳۹۵ھ) نے بلاغت کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

"البلاغة بكل ماتبلغ به المعنى قلب السامع، فتمكّنه في نفسه ، كتمكنه في نفسك مع صورة مقبولة و معرض حسن۔"

بلاغت ہر اس طرزِ کلام کو کہتے ہیں، جس کے ذریعے سننے والے کے دل میں بات اتر جائے اور اس کے دل میں اسی حسن و ادا کے ساتھ اسی طرح پیوست ہوئے جیسا کہ وہ بولنے والے کے دل میں موجود ہے۔

جرجانی (۴۷۱ھ) نے بلاغت کی تعریف اس طرح کی ہے:

"البيان هو تأدية المعاني التي تقوم النفس تامّة على وجه يكون أقرب إلى القبول وأدعى إلى التأثير، وفي صورتها وأجراس علمها بعذوبة النطق وسطولة اللفظ والإلقاء والخفّة على السمع۔

علم بلاغت باتوں کو اس طرح ادا کرنے کا نام ہے، جو قبولیت کے لحاظ سے آسان، تاثیر کے لحاظ سے اثر انگیز ہو اور اس کا ظاہری ڈھانچہ اور الفاظ کا رکھ رکھاؤ ایسا ہو کہ زبان سے ادا کرنے میں شیریں اور پیش کرنے میں آسان ہو۔ ساتھ ہی کانوں پر بار بھی نہ ہو۔"

آمدی (۶۳۰ھ) نے بلاغت کی تعریف میں لکھا ہے:

إصابة المعنى وادراك الغرض بألفاظ سهلة عذبة مستعملة، سليمة من التكلّف ، لاتبلغ القدر الزائد على قدر الحاجة، ولا تنقص نقصانا يقف دون الحاجة۔

اپنی بات اور مقصود کو آسان، شیریں اور عام مستعمل الفاظ کے ذریعے بغیر کسی تکلف کے بیان کرنا۔ اس طرح سے کہ ضرورت سے زیادہ الفاظ وتعبیرات استعمال نہ ہوں اور نہ انھیں ضرورت سے کم استعمال کیا گیا ہو۔

عبداللہ ابن المقفع نے بلاغت کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے:

البلاغة اسم جامع لمعان تجري في وجوه كثيرة، فمنها ما يكون في السكوت، ومنها مايكون جوابا، ومنها مايكون شعرا، ومنهامايكون سمعاوخطبا، ومنها مايكون رسائل، فعامّة مايكون من هذه الأبواب الوحي فيها، والإشارة إلى المعنى والإيجاز هو البلاغة۔

بلاغت مختلف انداز سے متعدد باتوں کو بیان کرنے کا ایک جامع طریقہ ہے۔ کبھی خاموشی میں بھی بلاغت ہوتی ہے اور کبھی جواب میں بھی۔ کبھی شعر کے انداز میں ہوتی ہے تو کبھی یہ بلاغت خطوط ورسائل کا روپ دھار لیتی ہے۔ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ ان تمام طریقوں میں انسان فطری استعداد کو کام میں لاکر اپنی بات کو مختصر انداز میں بیان کرتا ہے۔ اسی کو بلاغت کہتے ہیں۔"

سکاکی (۶۲۶ھ) نے لکھا ہے:

"هي بلوغ المتكلم في تادية المعاني حرًاله اختصاص بتوفيه خواصّ التراكيب حقها، وإيراد أنواع التشبيه والمجاز والكناية على وجهها۔

بلاغت متکلم کے ذریعے اپنی بات کو مخصوص حدود اور تراکیب کے مناسب استعمال کے ذریعے سامع کے دل تک پہنچانے کا نام ہے، جس کلام میں تشبیہ، مجاز اور کنایہ کی اقسام کو بھی مناسب انداز میں اختیار کیا گیا ہو۔

ابن اثیر (۶۳۷ھ) لکھتے ہیں:

البلاغة شاملة الألفاظ والمعاني، وهي أخص من الفصاحة كالإنسان من الحيوان، فكل

إنسان حيوان وليس كل حيوان إنسان والبلاغة لاتكون إلا في اللفظ والمعنى معا بشرط التركيب، لإن اللفظة الواحدة لخلوها من العنى الذي ينتظم كلاماً۔

بلاغت الفاظ ومعانی دونوں کو شامل ہوتی ہے۔ یہ فصاحت کے مقابلے میں اسی طرح زیادہ خاص ہے، جیسے کہ انسان حیوان کے مقابلے میں۔ ہر انسان حیوان ہوتا ہے، لیکن ہر حیوان انسان نہیں ہوتا۔ بلاغت ترکیب کی شرط کے ساتھ لفظ و معنی دونوں میں بیک وقت پائی جاتی ہے، کیوں کہ ایک لفظ جب تک فصیح نہیں ہوگا، تب تک وہ بلیغ بھی نہیں ہوسکتا۔ یعنی جب تک اس میں فصاحت کا سب سے امتیازی وصف، یعنی حسن نہ پایا جائے تب تک کلام بلیغ نہیں ہوسکتا۔ لیکن بلاغت کا امتیازی وصف ایک لفظ میں نہیں پایا جاتا، کیوں کہ کبھی کبھی اگر اس کو منظّم انداز میں ترتیب نہ دیا جائے تو وہ معانی سے خالی ہو جاتا ہے اور بلیغ نہیں رہتا۔

1.5 مختلف تعریفات کے نتائج

متقدمین کی ان مختلف تعریفات کو پڑھنے کے بعد ہمارے سامنے بلاغت کی تعریف پوری طرح کھل کر واضح ہو جاتی ہے۔ ان تعریفات کی روشنی میں ہمارے سامنے جو نتائج آتے ہیں، انھیں مختلف نکات کی شکل میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے:

(۱) علم بلاغت ایک اہم علم ہے۔ اس علم کے بغیر زبان و بیان کی خوبیوں کو حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ انسان چاہے کسی سے گفتگو کرے، کسی سے تحریری بات چیت کرے یا خط لکھے، ہر صورت میں اس کا کلام اسی وقت اثر انداز ہوسکتا ہے، جب اس کے کلام میں بلاغت کے عناصر پائے جائیں گے۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو کلام بااثر نہیں ہوسکتا۔ کلام کا بااثر ہونا کوئی معمولی بات نہیں ہے، بلکہ یہ ایک انتہائی اہم انسانی صفت ہے، جس کا پایا جانا انسان کی شخصیت پر غیر معمولی اثرات مرتب کرتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ انسان کا کلام بلیغ ہو اور بلاغت کے محاسن لیے ہوئے ہو۔ یہ صفت دنیا کے ہر مؤثر کلام میں پائی جاتی ہے۔ مذہبی کتابوں سے لے کر انسانی کتابوں تک، تمام کتابوں میں بلاغت کے عناصر پوری طرح کارفرما نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کسی بھی مذہب کا ماننے والا ہو، وہ کسی غیر مذہب کے صحیفے کو پڑھتا ہے تو متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ اثرات قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا ایک الگ مسئلہ ہے، لیکن وہ کلام کے حسن و خوبی سے ضرور متاثر ہوتا ہے۔ توریت، زبور، انجیل، صحف ابراہیم، صحف سلیمان اور سب سے آخر میں آخری آسمانی کتاب قرآن کریم آج تک انسان کو اپنی بلاغت کے سحر میں لیے ہوئے ہیں۔ خاص طور پر قرآن کریم کا معاملہ بالکل الگ ہے۔

(۲) علم بلاغت کے اندر اس بات کی صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ کسی بھی کلام کو قاری یا سامع کے دل کی گہرائی تک پہنچا سکتا ہے۔ متکلم جو بات کہہ رہا ہے یا جو بات کہنا چاہتا ہے، وہ بات بلاغت کے اصول و ضوابط کے ذریعے ہی سامنے والے کے دل و دماغ تک منتقل کی جاسکتی ہے۔ ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ کلام بلیغ کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہے کہ اس کے ذریعے کوئی بھی بات اپنی اصل شکل اور اصل کیفیت کے ساتھ دوسروں تک پہنچائی جاسکتی ہے۔ اگر بلاغت کے اصول و ضوابط کا خیال نہ رکھا جائے تو ہم اپنی بات دوسروں تک پہنچا تو سکتے ہیں، لیکن جو جذبہ ہمارے دل میں کارفرما تھا، اس جذبے کو پوری طرح واضح کرنا ممکن نہ ہوگا۔

مثال کے طور پر کوئی بھوکا پیاسا شخص کسی ہوٹل کے مالک سے کہے کہ مجھے بھوک لگی ہے آپ کھانا کھلا دیجیے۔ یہ بات بڑی سادگی اور سنجیدگی کے ساتھ کہے۔ ایسی صورت میں ہوٹل کا مالک اس کی بھوک کی شدت کو محسوس نہ کر سکے گا اور اس کو زیادہ ضرورت مند نہ سمجھتے ہوئے منع کر دے گا۔ لیکن اگر

وہ بھوکا شخص ہوٹل پر جا کر کہے کہ اللہ کے واسطے مجھے دو لقمے کھلا دو۔ تو سامنے والا اس کی تڑپ کو محسوس کرے گا اور اس کو ضرور کھانے پینے کے لیے کچھ دے دے گا۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ پہلے والے جملے میں بھوکے شخص نے پوری بات صاف صاف کہی تھی، اس کے باوجود کھانے سے محروم رہا۔ جب کہ دوسرے جملے میں اس نے صرف دو لقمے مانگے تھے، اس کے باوجود اس کی ضرورت پوری ہوئی اور سامنے والے نے اس کی کیفیت کو اچھی طرح محسوس کرلیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے جملے میں موقع محل کی رعایت کرتے ہوئے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ ایک تو اس نے اللہ کا واسطہ دیا اور اوپر سے دو لقمے کھلانے کی بات کی۔ جس سے سامنے والے کو فوراً سمجھ میں آ گیا کہ یہ غریب شخص شدید بھوکا ہے۔ لہٰذا یہ دوسرا جملہ بلاغت کے اصولوں کے مطابق سمجھا جائے گا اور پہلا جملہ غیر بلیغ کہا جائے گا۔

(۳) علم بلاغت کے اصول وضوابط جاننے اور سمجھنے کے بعد انسان اپنی بات کو آسان الفاظ اور تکلفات سے پاک اسلوب کے ذریعے قاری یا سامع کو متاثر کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ یعنی علم بلاغت اسے یہ بات سکھا دیتا ہے کہ کلام جتنا زیادہ تکلفات سے پاک ہوگا اور جتنا عام فہم ہوگا، اتنا ہی مؤثر ہوگا۔ بہت سے لوگ اس غلط فہمی کا شکار رہتے ہیں کہ کلام میں جتنے زیادہ ثقیل اور بھاری بھرکم الفاظ استعمال کیے جائیں، اتنا ہی اچھا ہوتا ہے۔ حالاں کہ یہ ایک واہمہ ہے۔ ایک ایسی غلط فہمی ہے جو انسان کو اچھا ادب تخلیق کرنے سے روکتی ہے۔

اوپر ہم نے بلاغت کی جو تعریفات پڑھی، ان سے یہ وہم پوری طرح ختم ہو جانا چاہیے۔ ماضی میں جاحظ، حریری، طبری، جرجانی، ابن مقفع اور پچھلی صدی میں احمد امین، طہ حسین، حسین ہیکل، ابوالحسن ندوی، مسعود عالم ندوی، محمد الحسنی، رافت پاشا، علی طنطاوی اور نجیب محفوظ جیسے ادباء کے یہاں یہ وصف بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ ان تمام کے یہاں بڑی سے بڑی بات کو عام فہم اسلوب میں بیان کرنے کا رویہ ملتا ہے۔ اپنی فکر کو دوسروں تک منتقل کرنے کے لیے یہ لوگ غیر ضروری طور پر مشکل الفاظ اور پیچیدہ تراکیب کا استعمال نہیں کرتے۔ بات بہت صاف کہتے ہیں اور حتی الامکان سادہ اسلوب میں کہتے ہیں۔ اسی کا نام بلاغت ہے۔ زبردستی مشکل الفاظ وتعبیرات کا استعمال کلام کو بھی بوجھل بنا دیتا ہے اور سامع کی سماعت کو بھی۔ اس سے متکلم اپنی بات کو دوسرے تک منتقل کرنے میں پوری طرح ناکام ہوتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ کوئی شخص اپنے محبوب کی تعریف کرتے ہوئے کہے:

''چار دانگِ عالم میں صبح ومساء میرے محبوب کا مماثل تلاش کرتے پھروگے، تو بھی نامرادی ہی تمھارا مقدر ٹھہرے گی۔''

اس کے برخلاف کوئی یہ کہے:

''اس کائنات میں میرا محبوب اپنی مثال آپ ہے۔''

دونوں جملوں کو غور سے دیکھنے پر اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں میں بات ایک ہی کہی گئی ہے، لیکن اندازِ بیان میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ پہلا جملہ بہت لمبا بھی ہے اور سخت الفاظ سے بوجھل بھی۔ جب کہ دوسرا جملہ مختصر ہے اور اس میں کوئی مشکل لفظ نہیں ہے۔ غالب امکان یہی ہے کہ پہلے جملے کو سننے کے بعد سامع نہ تو پوری بات سمجھ سکے گا اور نہ اس جملے کو دوبارہ پڑھنا چاہے گا۔ جب کہ دوسرے جملے میں جو بات کہی گئی ہے، وہ ہر خاص وعام بہ آسانی سمجھ سکتا ہے۔ دونوں جملوں میں یہی بات کہی گئی ہے کہ میرے محبوب جیسا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اس بات کو پہلے جملے میں بہت گھما پھرا کر، مشکل الفاظ کے ساتھ اور تکبر آمیز اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔ جب کہ دوسرا جملہ نہایت آسان بھی ہے اور عام فہم بھی۔ اسی کا نام بلاغت ہے۔

(۴) بلاغت کے لیے نظم ونثر کی کوئی خاص صنف یا ہیئت مخصوص نہیں ہے۔ یعنی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بس فلاں صنف ہی بلیغ ہو سکتی ہے اور فلاں صنف بلیغ نہیں ہو سکتی۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ انسان کلام کی جس صنف کو بھی اختیار کرے، وہ اس میں بلاغت کے اصول کی پاس داری کر سکتا ہے۔ متکلم چاہے خطبہ دے رہا ہو، خط لکھ رہا ہو، مضمون لکھ رہا ہو، ناول، افسانہ یا کہانی تخلیق کر رہا ہو، پابند یا آزاد نظم کہہ رہا ہو، غرض یہ کہ نظم ونثر کی کوئی بھی صنف اختیار کر رہا ہو، اس میں بلاغت کے اصولوں کا خیال رکھا جا سکتا ہے۔ یعنی اصولِ بلاغت کسی ایک صنف کے لیے خاص نہیں ہیں، بلکہ یہ نظم ونثر کی ہر صنف کو محیط ہیں۔

(۵) بلاغت کا ایک اہم حصہ تشبیہ، استعارہ، مجاز اور کنایہ بھی ہے۔ یہ تمام چیزیں مختلف انداز اور اسلوب میں حسبِ ضرورت استعمال کرنا بھی علم بلاغت کا ایک اہم خاصہ ہے۔ یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر جملے میں ان میں سے کسی چیز کو برتا جائے لیکن جہاں ان میں سے کسی چیز کے استعمال سے کلام زیادہ مؤثر ہوسکتا ہو، وہاں اسے ضرور استعمال کرنا چاہیے۔ تشبیہ، استعارہ، مجاز اور کنایہ کی تعریفات اور اقسام ہم اگلی اکائیوں میں پڑھیں گے۔

1.6 اہمیت

اب تک کی گفتگو سے ہمارے سامنے بلاغت کی تعریف اور اس کی حقیقت اچھی طرح واضح ہوگئی۔ ہمیں معلوم ہوگیا کہ بلاغت کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور وہ ہمارے لیے کس طرح مفید ہوسکتی ہے؟ یہ سب جاننے کی بعد ضروری ہے کہ ہم علم بلاغت کی اہمیت وافادیت کو سمجھیں اور یہ جاننے کی کوشش کریں کہ مختلف علوم کے درمیان علم بلاغت کا کیا مقام ہے؟ بلاغت کی اہمیت وافادیت پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اس موضوع پر مستقل کتابیں موجود ہیں۔ ہم ان میں سے چند اہم نکات ذکر کررہے ہیں۔

1.6.1 تاثیر کلام

علم بلاغت کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے انسان اپنے کلام کو مؤثر سے مؤثر تر بنا سکتا ہے۔ ویسے تو ایک دودھ پیتا بچہ بھی اپنے جذبات کی عکاسی کردیتا ہے اور کسی نہ کسی طرح اپنی بات سمجھالیتا ہے۔ لیکن تاثیر کلام ایک دوسری چیز کا نام ہے۔ یہ کبھی کسی بادشاہ یا صدر مملکت کی زبان سے نکلے ہوئے تاریخی خطاب میں بھی ظاہر ہوسکتی ہے اور کبھی بھیک مانگتے ہوئے فقیر اور سنسان رات میں بچے کو لوری سناتی ہوئی ماں کی زبان سے بھی یہ کلمات نکل سکتے ہیں۔ یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ بلیغ کلمات ادا کرنے والے شخص کو بلاغت کے تمام اصول وضوابط سے آگاہی حاصل ہو۔ البتہ یہ ناممکن ہے کہ بلاغت کے اصول وضوابط سے خالی کلام اپنے سننے والے کے دل ودماغ پر اثر انداز ہو۔

آسان الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کلام کے مؤثر ہونے کے لیے یہ لازمی ہے کہ وہ بلاغت کے اصول وضوابط پر پورا اترا ہوا ہو، چاہے بولنے والے کو معلوم نہ ہو کہ وہ کتنا مؤثر کلام ظاہر کررہا ہے۔ لیکن جانے انجانے میں اس کے دل کا درد ایسے خوبصورت الفاظ اور مناسبِ حال تعبیرات کے ساتھ چھلک پڑے کہ سننے والا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

غرض یہ کہ کلام کا مؤثر ہونا علم بلاغت کا سب سے بڑا فائدہ ہے۔ آج دنیا میں جس زبان اور جس مذہب کی بھی کتابیں لوگوں کو اپنے سحر میں لیے ہوئے ہیں، وہ سب اس صفت پر پوری اترتی ہیں۔ خاص طور پر قرآن کریم میں بلاغت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

" الرَّحْمَنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ○ خَلَقَ الْإِنسَانَ ○ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ○"

(اللہ ہی) رحمٰن ہے، جس نے قرآن کا علم عطا فرمایا، انسان کو پیدا فرمایا اور اس کو اپنی بات اچھی طرح بیان کرنا سکھایا۔

اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

" إن من البيان لسحرا."

بہت سی باتیں تو بڑی سحر انگیز ہوتی ہیں۔

اس کے علاوہ قرآن وحدیث میں اور دوسرے اسلامی مآخذ میں ایسے بے شمار ارشادات اور واقعات موجود ہیں، جن سے اپنی بات کو دوسروں

تک پہنچانے کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

مختصر طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تاثیر کلام ایک انتہائی اہم انسانی وصف ہے۔ یہ وصف خود خالق کائنات نے انسان کو سکھایا اور اس کے دل میں القا فرمایا ہے۔ اس وصف سے انسان نے ہر دور میں لاتعداد فوائد حاصل کیے ہیں۔ مستقبل میں بھی کوئی بڑا انسانی انقلاب بغیر موثر کلام کے وجود پذیر نہیں ہوسکتا۔ یہ تاثیر کلام ہی علم بلاغت کا سب سے بڑا فائدہ ہے۔

1.6.2 ذوق کی تشکیل

بلاغت کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے انسانی ذوق کی تشکیل ہوتی ہے۔ ذوق کی تشکیل کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو اچھے برے، کھرے کھوٹے اور میٹھے کڑوے کا شعور ہو جاتا ہے۔ وہ کسی کلام کو پڑھ یا سن کر سمجھ جاتا ہے کہ اس میں اچھا کیا ہے اور برا کیا ہے؟ کلام اچھا ہوتا ہے تو وہ اچھل پڑتا ہے، جھومنے لگتا ہے اور اس کی طبیعت وجد میں آجاتی ہے۔ کلام اچھا نہیں ہوتا تو اس کی طبیعت پر بار ہوتا ہے اور وہ اسے ایک لمحے کے لیے بھی سننا گوارا نہیں کرتا۔ لیکن جس شخص کے اندر ذوق نہ ہو، وہ اچھے برے کی تمیز نہیں کر پاتا۔ اُسے الٹا سیدھا کلام سنایئے یا اعلیٰ مرصّع کلام سنایئے، اُس کے لیے دونوں برابر ہوتے ہیں۔ نہ وہ اچھا کلام سن کر خوش ہوتا ہے اور نہ خراب کلام سن کر انقباض محسوس کرتا ہے۔ اُس کی حالت اُس بھینس کی سی ہوتی ہے، جس کے آگے آپ بین بجاتے رہیے اور وہ بغیر کوئی تأثر لیے اپنے کھانے پینے میں لگی رہے۔ علمی، ادبی اور شعوری لحاظ سے یہ صورت حال بہت خطرناک ہوتی ہے۔ ہر انسان کو باشعور اور باذوق ہونا ہی چاہیے۔ اچھے برے اور کھرے کھوٹے کی تمیز ہونی ہی چاہیے۔ اسی لیے بلاغت کے بڑے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ بھی گنایا جاتا ہے کہ اس فن کے ذریعے انسان کا شعور پروان چڑھتا ہے اور اس کا ذوق تشکیل پاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں اساتذہ اپنے تلامذہ کو اہل علم کی صحبت اختیار کرنے اور اصحابِ فن کا کلام پڑھنے کی تاکید کرتے رہے ہیں۔ اس کے بغیر کتابیں تو پڑھی جاسکتی ہیں، ڈگریاں بھی حاصل کی جاسکتی ہیں، لیکن ذوق کی تشکیل نہیں ہوسکتی۔ وہ علمی شعور پیدا نہیں ہوسکتا۔ جس کے ذریعے اچھے کلام کو سنتے ہی طبیعت وجد میں آجائے اور خراب کلام سنتے ہی طبیعت پر بار محسوس ہونے لگے۔ سچ یہ ہے کہ جو لوگ اس پاکیزہ ذوق کے حامل نہیں ہوتے، وہ اکثر علمی و ادبی مجلسوں میں غالب کے اس شعر کے مصداق ہو جاتے ہیں:

بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور اس قدر
ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرمائیں گے کیا

اس لیے کثرت کے ساتھ فصیح و بلیغ کلام کو پڑھنا سننا، اہلِ بلاغت کی مجلسوں میں بیٹھنا اور علم بلاغت کے لحاظ سے حسن و قبح کا فرق سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ اس کے نتیجے میں ہمارا ذوق تشکیل پاتا ہے اور اعلیٰ ذوق ہماری روحانی، ذہنی اور فکری صحت کا باعث ہوتا ہے۔

1.6.3 فرد کی تعمیر

یہ بات بہ ظاہر بڑی عجیب لگتی ہے کہ علم بلاغت کا فرد کی تعمیر سے کیا تعلق ہوسکتا ہے؟ لیکن کچھ گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا جائے تو سمجھ میں آتا ہے کہ علم بلاغت صرف ایک چٹخارے کی چیز نہیں ہے۔ بلکہ یہ علم فرد کی تعمیر کا بھی اہم ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔

ایک انسان جب اچھا کلام سنتا یا پڑھتا ہے تو وہ اس کا اثر لیتا ہے۔ اُس کلام میں اُسے جو مؤثر بات زیادہ اچھی لگتی ہے، وہ اُسے اختیار کرنا چاہتا ہے۔ اُس کی روشنی میں اپنی زندگی کا سفر آگے بڑھانا چاہتا ہے۔ تاریخ میں دو چار نہیں، ایسی سیکڑوں مثالیں ملیں گی، جن میں ایک عظیم شخصیت کی تعمیر و ترقی

کا ذریعہ کوئی بلیغ کلام ہوگا۔ عظیم فرماں روا سکندر (356-323 ق م) کے بارے میں تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے کہ وہ اپنے ساتھ ہمیشہ ایلیڈ کا رزمیہ رکھتا تھا۔ اسی طرح مشہور مغل بادشاہ جہانگیر (1569-1627) اپنے سرہانے ہمیشہ دیوانِ حافظ رکھتا تھا۔ ظاہری بات ہے کہ تاریخ کی یہ عظیم شخصیات اپنا رعب گانٹھنے کے لیے ایسا نہیں کرتی تھیں۔ بلکہ ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ علم وفن کے ان شاہ کاروں سے طاقت وقوت حاصل کریں اور ان کی روشنی میں کام یاب زندگی گزاریں۔

معلوم ہوا کہ فرد کی تعمیر میں علم بلاغت بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس لیے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا تھا: "**إن من البيان لسحراً**." یعنی بہت سا کلام بڑا سحر انگیز ہوتا ہے۔

1.6.4 معاشرتی انقلاب

جس طرح علم بلاغت فرد کی زندگی پر گہرا اثر ڈالتا ہے، اُس طرح معاشرے پر بھی اس کے حیرت انگیز اثرات ہوتے ہیں۔ معاشرہ اینٹ پتھر کے مجموعے کا نام نہیں ہے۔ افراد کے مجموعے کو معاشرہ کہتے ہیں۔ لہٰذا جب علم بلاغت سے فرد متاثر ہوتا ہے، تو معاشرے پر اس کی اثر انگیزی خود بہ خود ثابت ہو جاتی ہے۔ انسانی تاریخ سے ایسی پچاسوں مثال پیش کی جاسکتی ہیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ کس طرح کسی نثر پارے، کسی وعظ وتقریر یا منظوم کلام نے معاشرے کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ اس ذیل میں ہمارے سامنے سب سے بڑی مثال چھٹی صدی عیسوی کے عرب کی ہوسکتی ہے۔ اس انقلاب سے زیادہ برق رفتار اور اثر انگیز انقلاب کبھی رونما نہیں ہوا۔ اس انقلاب کی بہت بڑی وجہ ایک کتاب (قرآن کریم) کی معجزانہ بلاغت تھی۔ سیرت نبوی کی کسی بھی کتاب میں دیکھا جاسکتا ہے کہ بڑے بڑے سردارانِ قریش اور عرب کی اہم شخصیات نے قرآن کریم کی چند آیات سنیں اور اُن کی زندگیوں میں انقلاب رونما ہوگیا۔ انھوں نے اعلان کر دیا کہ ایسا کلام نہ کبھی سنا اور نہ کبھی کسی انسان نے کہا۔ دوسرے خلیفۂ راشد حضرت عمر فاروقؓ کی زندگی میں جو انقلاب آیا، وہ قرآن کریم کی چند آیات کو پڑھ کر ہی آیا۔ آگے چل کر ان کے ذریعے روم وفارس تک اسلامی سلطنت کا پھیلنا ایک بے مثال انقلاب تھا۔ ظاہر ہے کہ اس عظیم معاشرتی انقلاب کی سب سے بنیادی وجہ خدا کا وہ کلامِ بلاغت نظام بنا، جس کو پڑھ کر حضرت عمر کی زندگی کچھ سے کچھ ہوگئی۔ نہ حضرت عمر کلامِ الٰہی سے متاثر ہوتے اور نہ وہ سب کچھ ہوتا، جو آگے چل کر ہوا۔

معلوم ہوا کہ علم بلاغت کی اثر انگیزی کا دائرہ فرد سے بڑھ کر پورے معاشرے تک پھیلا ہوا ہے۔ اس علم کے اندر کل بھی یہ تاثیر تھی اور آج بھی یہ تاثیر ہے۔ اسی لیے شاعر نے کہا ہے:

اے مری قوم کے نام ور شاعرو!
عالمو! حافظو! قاریو! مفتیو!
اے ادیبو! فسانہ نگارو! سنو
تم جو چاہو زمانے کا رخ موڑ دو

1.7 خلاصہ

اسی اکائی کو پڑھنے سے ہمیں معلوم ہوا کہ علم بلاغت کسے کہتے ہیں؟ علماءِ بلاغت نے کس کس انداز سے بلاغت کی تعریف کی ہے؟ اس علم کے

کیا فوائد اور کیا اثرات ہوتے ہیں؟ اور علم بلاغت انسان زندگی کے لیے کیوں اہم ہے؟

ہمیں معلوم ہوا کہ مناسب الفاظ و تراکیب اور حالات کے مطابق پورے قواعد وضوابط کی پابندی کے ساتھ اپنی بات پیش کرنے کو بلاغت کہتے ہیں۔ جو علم ہمیں یہ فن سکھاتا ہے۔ اسے علم بلاغت کہا جاتا ہے۔

بلاغت کی تعریف کے سلسلے میں مختلف علمائے بلاغت نے مختلف باتیں کہی ہیں۔ سب کا خلاصہ یہ ہے کہ زبان و بیان کے قواعد کی رعایت کرتے ہوئے مناسب الفاظ اور موزوں تراکیب و تعبیرات کا استعمال کرنا اور مقتضائے حال کا خیال کرنا بلاغت کہلاتا ہے۔ بلاغت کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ اس کے ذریعے ہماری بات پوری اثر انگیزی کے ساتھ قاری یا سامع کے دل و دماغ تک پہنچ جاتی ہے اور اپنا اثر دکھاتی ہے۔ یہ اثر انگیزی کبھی کبھی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ پورے پورے معاشرے کو بدل کر رکھ دیتی ہے۔

بلاغت کی اہمیت یہ ہے کہ اس کے ذریعے ہمارا کلام مؤثر ہوتا ہے، ہمارے ذوق کی تشکیل ہوتی ہے، فرد کی تعمیر ہوتی ہے اور کبھی کبھی معاشرتی انقلاب بھی رونما ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے علم بلاغت کی اہمیت ماضی میں بھی رہی ہے اور مستقبل میں بھی باقی رہے گی۔

1.8 نمونے کے امتحانی سوالات

مندرجہ ذیل سوالوں کے جواب تین سطروں میں دیجیے:

1- بلاغت کسے کہتے ہیں؟

2- رمّانی نے بلاغت کی کیا تعریف کی ہے؟

3- وہ چار نکات لکھیے جن سے بلاغت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

مندرجہ ذیل سوالوں کے جواب پندرہ سطروں میں لکھیے:

1- تین علمائے بلاغت کے ذریعے کی گئیں بلاغت کی تعریفات کا جائزہ لیجیے۔

2- مختلف ماہرین بلاغت کی تعریفات سے کیا نتائج سامنے آتے ہیں؟

3- فرد کی تعمیر اور معاشرتی انقلاب میں علم بلاغت کا کیا کردار ہوتا ہے؟

1.9 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

1- أسرار البلاغة، عبدالقاهر الجرجانی

2- البلاغة و تطور التاريخ، شوقی ضيف

3- ا لأدب العربی بين عرض و نقد، محمد الرابع الحسنی الندوي

4- البلاغة العالية، عبدالمتعال الصعيدي

1.10 مشکل الفاظ کی فرہنگ

متکلم	بات کرنے والا
مقتضائے حال	حالات کا تقاضا
استعداد	قابلیت، صلاحیت
شیریں	میٹھا
متقدمین	پہلے زمانے کے لوگ
تکلفات	بناوٹیں، نمائشیں
تراکیب	کئی الفاظ کے مجموعے
عناصر	بنیادیں، اصل
ہیئت	شکل وصورت، ساخت
تعبیر	بیان کرنا، عبارت میں لانا
مرصع	مناسب اور موزوں الفاظ کی ترتیب والی نظم یا نثر
انقباض	طبیعت کا بوجھل ہونا
رزمیہ	جنگ کے حالات پر مبنی نظم